بشیر مہدی حسن

صاحب "سیف الملوک" کے آثار و افکار

برعظیم پاک و ہند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں جو خدمات صوفیائے کرام رحؒ نے سرانجام دیں ان کا مقابلہ حاکمینِ وقت کی اجتماعی خدمات نہ کر سکیں۔ اگرچہ قرآن و حدیث اور فقہ کے لیے علمائے کرام کی مساعیٔ جمیلہ سے انکار ممکن نہیں، تاہم صوفیا کا رجحان سیاست کی بجائے عوام کے تزکیۂ نفس اور اُن کی فلاح و بہبود کی طرف ہوتا تھا۔ اس لیے عام آدمی پر روحانی و فکری اثرات زیادہ مرتب ہوتے تھے۔ مزید براں ذاتی کردار کی بلندی اور عوام میں بے حد مقبولیت کے سبّب حاکمینِ وقت اُن کی آرا کا احترام کرتے اور ان آرا سے اختلاف کی جراَت بھی نہ کرتے تھے۔ پروفیسر عبدالرشید لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مطالعۂ تاریخِ اسلام اور مسلم تمدّن کی ترّقی میں صوفیائے کرام نے جو کردار ادا کیا اُس کا ابھی تک پُوری توجہ سے جائزہ نہیں لیا گیا۔ حقیقت میں اسلام کی کوئی بھی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک صوفیا اور درویشوں کی روحانی تحریکوں کی وجوہ و اثرات کا عالمانہ اور محتاط جائزہ نہ لیا جائے۔ اسلامی ہند کے لیے اس کی بطورِ خاص سفارش کی جا سکتی ہے۔[1]

صوفیائے کرامؒ نیک افعال و عقاید پر زور دیتے اور موت و حیات کے مسائل پر عام فہم اندازِ فکر اختیار کرتے تھے۔ اُن کی تعلیمات کبھی بھی انقلابی نہیں رہیں۔ اُنھوں نے معاشرتی زندگی یا مذہبی نظام کے متعلق کبھی عدمِ اطمینان یا اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ زندگی کی بے رحمانہ حقیقتوں اور مشکلات کے بارے میں اُن کا روّیہ انتہائی مصالحانہ اور فرماں بردارانہ ہوتا تھا۔ اِنھی ہمہ گیر خصوصیات و صفات کی بدولت اُنھوں نے معاشرتی زندگی کے ہر شعبے میں دور رس اثرات چھوڑے۔ علامہ اقبالؒ نے تصوّف کا اسی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ غالباً اسی لیے وہ فرماتے ہیں کہ تصوّف اُن مختلف عقلی و اخلاقی قوتوں کے باہمی عمل و اثر کا لازمی نتیجہ ہے جو ایک خوابیدہ روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین

---

[1] پروفیسر شیخ عبدالرشید، "نظریہ پاکستان اور نصابی کُتب" پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور۔ (مقالہ)

کی طرف اُس کی راہنمائی کرتی ہیں ۲؎

صوفیائے کرامؒ نے دُنیا بھر کی علاقائی زبانوں کی سرپرستی کی اور اپنے پاکیزہ خیالات کو مقامی زبانوں میں بیان فرمایا۔ برعظیم پاک و ہند میں اُن بزرگوں نے قریباً ہر زبان میں اسلامی فلسفۂ حیات کی ترجمانی کی۔ ہندوستان کی مذہبی و روحانی تاریخ کے نامور عالم ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ ابتدا ہی سے ہندوستان میں فارسی ادب کی ایک ایسی شاخ نشوونما پانے لگی جس کی آبیاری بادشاہوں کی سرپرستی سے نہیں بلکہ اہل اللہ کی مسیحا نفسی سے ہوتی تھی۔ ہندوستان میں قدیم صوفیا نے نہ صرف اشاعتِ اسلام کا کام اپنے ذمے لیا بلکہ تصنیف و تالیف میں بھی وہ سب سے آگے تھے ۳؎ پنجاب میں جہاں دیگر صوفیا نے اسلامی علوم و فنون اور ثقافت کی ترقی و ترویج میں حصّہ لیا، وہاں حضرت میاں محمد بخش علیہ الرحمہ بھی ممتاز نظر آتے ہیں۔ پنجابی شاعری میں جس انقلاب کی ابتدا وارث شاہؒ نے کی تھی، اُسے بامِ عُروج تک پہنچانے، اس کی نوک پلک سنوارنے اور اُس کو نئے تشریحی و فنّی اصطلاحات سے مزیّن کرنے میں اُن کا بہت بڑا حصہ ہے اُنھوں نے نہ صرف پنجابی ادب کو ایک نیا رنگ دیا بلکہ فلسفہ، منطق، تاریخ، تفسیر اور علمِ کلام کو بھی سادہ پنجابی زبان کی زینت بنایا۔ حضرت میاں صاحب ۱۹ ربیع الاوّل ۱۲۴۷ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۸۳۱ء کو ہفتے کے روز علاقہ کھڑی ضلع میرپور آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ کھڑی کسی گاؤں کا نام نہیں بلکہ خاص جگہ کا نام ہے اور میاں صاحب نے اس کی خود ہی تاریخ بھی بیان کی ہے ۴؎ تذکرہ نگاروں نے ان کی زندگی

۲؎ علامہ اقبالؒ: "فلسفۂ عجم" اردو ترجمہ (The Development of Metaphysics in Persia) از میر حسن الدین۔ کراچی۔ ۱۹۶۹ ص ۱۶

۳؎ شیخ محمد اکرام "آبِ کوثر" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ص ۱۴۱

۴؎ میاں محمد بخش صاحبؒ: "علاقہ کھڑی" کی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو۔ تذکرہ مقیمی۔ قلمی نسخہ برگ ۹۹۔ میاں صاحب نے اپنی کتاب "ہیر رانجھا" کی آخری رباعی میں یُوں لکھا۔

تیراں سَے پنداں ہجری جدّوں ایہہ رُباعیاں آئیاں نی
موضع پنجنی بیٹھ کے نظم کیتی جتھّے بہت کماں پیڑاں پایاں نی
دلہے چھتے اٹھہے عمر گزری، ہوشاں ہمتاں فرج خطائیاں نی
سیہ شرم محمد اپیر نوں بھوجیندے کرم اوتے اَساں لائیاں نی

اور خاندانی حالات کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا اس میں دو مقامات خاص طور پر محلِ نظر ہیں۔ اوّلاً یہ مشہور ہے کہ آپؒ امیر المومنین سید فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں [5] جب کہ آپؒ کی سیرت و احوال و آثار پر ڈاکٹریٹ حاصل کرنے والے پروفیسر سید اختر امان جعفری کا خیال ہے کہ آپ گوجروں کی مشہور گوت "پسوال" سے تعلق رکھتے تھے اور اس گوت کا سلسلۂ نسب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے [6] ثانیاً یہ کہ آپؒ حضرت خواجہ دین محمد صاحبؒ کے پڑپوتے تھے۔

درحقیقت ان میں سے کوئی بیان بھی دُرست نہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے آپ کا نسبی تعلق کسی طرح بھی ثابت نہیں اور نہ کسی ہم عصر بزرگ یا قلمی تحریر سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے۔ ڈاکٹر اختر امان صاحب نے بھی بغیر سند و حوالہ بات کی ہے۔ میاں صاحب نے اپنے خاندان کے بارے میں اپنی کتاب "تذکرہ مقیمی" میں جو معلومات دی ہیں وہ کہیں اور دستیاب نہیں، اس میں بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ جہاں تک حضرت خواجہ دین محمد کا تعلق ہے تو آپ حضرت پیر شاہ غازی قلند[...]ر دمڑی والی سرکار کے روحانی بیٹے تھے۔ وہ تارک الدنیا فقیر تھے۔ ساری عمر تجرّد کی حالت میں گزاری، البتہ حضرت میاں محمد بخش صاحب کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ دین محمد کے برادرِ حقیقی حضرت میاں شہباز سے ضرور ملتا ہے جن کے آپؒ پڑپوتے تھے۔ حضرت میاں صاحب نے طریقت کی تعلیم حضرت شاہ سائیں غلام محمد صاحب سے حاصل کی ہے [7] آپ کے شیخ علم و فضل اور تقویٰ میں صاحبِ کمال تھے، اسی لیے حضرت موصوف نے اپنی

(مسلسل) پھر مزید فرماتے ہیں: "تمام شد فرمایش فرزند مخدوم صاحب لنگر شریف والہ کہ اسمِ شریف ایشاں پُرسیدہ نشدہ: بتاریخ ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۱۵ھ" (مطابق ۱۸ اگست بروز بدھ ۱۸۹۷ء) ہم نے اسی پر تکیہ کرتے ہوئے ۱۹ ربیع الاوّل بروز ہفتہ ۱۲۴۷ھ (مطابق ۲۷ اگست ۱۸۳۱ء کو آپؒ کی تاریخ پیدائش قرار دیا ہے۔

۵۔ ملک محمد صاحب، سوانح حیات میاں محمد بخش صاحبؒ در آخر سیف الملوک۔ بار اول جہلم۔ ۱۹۱۴ء، ص ۴۵۰ تا ۴۵۲

۶۔ سید اختر امان جعفری، "حضرت میاں محمد بخشؒ صاحب۔ حیاتی تے شاعری"؛ مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی۔ غیر مطبوعہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۷۔ میاں محمد بخش صاحبؒ۔ "مثنوی نیرنگِ عشق"۔ مطبوعہ جہلم۔ ۱۹۶۴ء ص ۱۰
"سیف الملوک" ص ۳۲۰

کتابوں میں اپنے مُرشد کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ جب ۵۷-۱۸۵۶ء میں میاں صاحب نے اپنی پہلی کتاب "سوہنی مہینوال" تصنیف کی تو شیخ نے اسے بہت سراہا[۸] آپؒ کے والدِ گرامی میاں شمس الدین صاحبؒ بھی اپنے وقت کے بلند پایہ عالم اور صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ یہ علمی شوق ہی تھا کہ " درحالتِ طفلی درویشانہ ازخانہ آوارہ شدہ برائے تحصیل علم درشہر گجرات آمدند"[۹] پھر علومِ شریعت وطریقت پر اس قدر عبور حاصل کیا کہ حضرت شاہ رفیع الدین محدّث دہلوی جیسے نادرِ روزگار عالم آپ کو ملنے آتے اور گھنٹوں علمی مسائل پر تبادلہ خیال کرتے تھے[۱۰] اُنھوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے فرزند میاں محمد بخش کو اُن کی لیاقت اور علم و فضل کی وجہ سے دربارِ قلندری غازیؒ کا جانشین وسجادہ نشین مقرر کر دیا تھا۔ یہ خانقاہیں مسلمانوں کے دورِ زوال میں بھی اسلامی علوم وفنون اور مُسلم تمدّن کا گہوارہ سمجھی جاتی تھیں۔ یہاں مسلمانوں کے علاوہ غیرمُسلم بھی فیض پاتے تھے۔ میاں صاحب نے سجادگی کی ذمے داری کو خوب نبھایا۔

اگرچہ میاں صاحب کی زندگی کے حالات ومشاہدات پر لکھا جانے والا زیادہ حصّہ ہم عصر بزرگوں کی زبانی روایات پر مشتمل ہے، تاہم ان کی سیرت کا بہترین ماخذ ان کی تصنیفات ہیں جن کی ورق گردانی کرنے سے ان کے اخلاق وعادات نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ یہ ان کی کسرِ نفسی ہے کہ انھوں نے اپنے خاندان اور دیگر بزرگوں کے آثار وافکار پر جہاں بہت کچھ لکھا، اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں تحریر کیا۔ ان کے پہلے سوانح نگار ان کے تلمیذِ خاص ملک محمد جہلمی تھے۔ اُن کی تحریر کردہ سوانح کو ہی حرفِ آخر سمجھ کر آنے والے تذکرہ نگار نقل درنقل کرتے چلے گئے۔ حال ہی میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر نے ان کے آثار وافکار پر جو کچھ لکھا اس کا بیشتر حصّہ محلِ نظر ہے۔

میاں محمد بخش صاحب کا یہ کمال ہے کہ اُنھوں نے تمثیل، استعارات، اشارہ وکنایہ اور قصّے

۸۔ میاں محمد بخش صاحبؒ: "سوہنی مہینوال" مطبوعہ جہلم۔ ۱۹۶۴ء ص ۱۵

۹۔ میاں محمد بخش صاحبؒ: "تذکرۂ مقیمی" قلمی نسخہ مملوکہ سید غلام غوث شاہ صاحب برادر سید محمود شاہ صاحب برگ ۱۴۲۔

۱۰۔ "تذکرہ مقیمی" برگ ۱۶۳ الف ..... میاں شمس الدین صاحبؒ نے ۱۲۶۴ھ (مطابق ۱۸۴۸ء) میں رحلت فرمائی۔

کہانیوں کے ذریعے تصوف و معرفتِ الٰہی کے بہترین نکات بیان کر دیے ہیں۔ اپنے موقف کی وضاحت کے لیے سینکڑوں حوالے قرآن و حدیث اور مستند کُتب تاریخ و فلسفہ اور منطق و ادب سے دیے ہیں۔ ان کی تمام کُتب عقلی و نقلی دلائل سے پُر ہیں۔ کئی ایک مقامات پر کلام پاک کی اُچھوتی تفسیر کی ہے، جس سے ان کی قرآن فہمی اور نکتہ سنجی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سادہ پنجابی زبان میں تصوّف کی باریکیوں کو اس خُوبی سے سمو دیا ہے کہ عقلِ انسانی ششدر رہ جاتی ہے۔ باوجود اس کے، لفظ لفظ سے عاجزی و انکساری ٹپکتی ہے اور یہی وہ وصف ہے جو اُنھیں پنجاب کے صفِ اوّل کے صوفیا میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اُنھوں نے فلسفہ، علم کلام، مسائل وحدت الوجود اور وحدت الشہود، عشق، تصوف، عصمتِ انبیا اور مسائل فقہ کو اس خوبی سے شعروں میں سمو دیا ہے کہ کلام کا بیشتر حصہ ضرب المثل بن کر روزمرہ کی گفتگو کا حصہ بن چُکا ہے۔

اُنھوں نے ایک بھرپُور علمی، ادبی اور روحانی زندگی بسر کی۔ بالآخر ۷ ذی الحجہ بروز منگل ۱۲۲۴ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۰۷ء بوقت صبح وفات پائی، ۲۳ جنوری ۱۹۰۷ء بوقتِ ظہر نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور بوقتِ مغرب ان کی میّت کو لحد میں اُتارا گیا۔

میاں محمد صاحب کے آثار و افکار

میاں صاحب کی نثری تحریروں اور اشعار کی صحیح تعداد کا کسی کو علم نہیں۔ البتہ انھوں نے اپنی چند تصانیف کا خود ہی تذکرہ فرما دیا ہے۔ بے شمار دوہڑوں، پنجابی لوک گیتوں، مذہبی خطبات اور پند و نصائح پر مبنی اقوال کے علاوہ ان کی پہلی تصنیف "سوہنی مہینوال" کے نام سے ۱۲۷۳ھ میں منظرِ عام پر آئی۔ اس وقت ان کی عمر چھتیس سال تھی۔ اسی دوران آپ نے "قصّہ شاہ منصور" اور "گلزارِ فقیر" نامی دو کتابیں لکھیں۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود "گلزارِ فقیر" نہیں مل سکی[1] "سیف الملوک" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ میاں صاحب نے یہ کتاب بھی ۱۲۷۳ھ کے لگ بھگ لکھی ہوگی۔ "سوہنی مہینوال" عام سائز کے چونسٹھ صفحات اور ۱۱۹۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں بھی اگرچہ ایک روایتی قصّے کو موضوع بنایا گیا ہے، تاہم اصل موضوع فلسفہ و تصوّف ہے۔ بہت سے مقامات پر مابعد الطبیعیات

---

[1] ڈاکٹر اختر امان جعفری نے "گلزارِ فقیر" کے بارے میں لکھا ہے، "گلزارِ فقیر دا کدھروں کھوج نہ ملیا۔ مقالہ۔ ص ۷

اور علم کلام کے مسائل بکھرے پڑے ہیں۔ آپؒ کا زورِ طبع اس قدر عروج پر ہے کہ الفاظ جذبات میں ڈوبے ہوئے ہیں جو الہامی محسوس ہوتے ہیں۔ ۱۲۷۴ھ میں اُنھوں نے " قصّۂ شیخ صنعاں" مکمل کیا۔ چوالیس صفحات اور ۱۵۷ اشعار پر مشتمل یہ کتابچہ کافی عرصہ نایاب رہا۔ اب محکمہ اوقاف کی سعی سے اعلیٰ طباعت کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ قصّہ بظاہر عشق مجازی کی ایک داستان ہے، لیکن درحقیقت اس میں تصوّف کے اصول و معارف پر بحث کی گئی ہے۔ یہ قصّہ ایک ایسے زاہد و عابد مرید کے بارے میں ہے جو اپنے شیخ حضرت عبدالقادر جیلانی کے ایک فرمان کی عدمِ تعمیل سے بارگاہِ خداوندی سے معتوب قرار پاتا ہے اور اس کے تمام مراتب چھن جاتے ہیں۔ بالآخر حضرت شیخ کی بارگاہِ عالی میں التجا سے اس کی مصیبت ٹل جاتی ہے، ملّا جامیؒ کی " نفحات الانس" اس قصّے کا ماخذ ہے۔ " قصّہ شیخ صنعان" کے ہر شعر میں معرفتِ الٰہی نہاں ہے۔ اصنافِ شاعری، بندش، موزونیتِ الفاظ اور فی البدیہہ کلام میں اپنی مثال آپ ہے۔ قصّے کی رُوح تک پہنچنے کے لیے شاعری کی اصطلاحات اور تصوف کی باریکیوں کا گہرا مطالعہ ضروری ہے

۱۲۷۵ھ میں آپؒ نے غنیمت کُنجاہی کی فارسی مثنوی کا منظوم پنجابی ترجمہ بعنوان مثنوی نیرنگِ عشق کیا۔ یہ کتابچہ ۷۰ صفحات اور ۱۳۰۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ کتابچہ اگرچہ ترجمہ ہے لیکن کہیں بے جوڑ محسوس نہیں ہوتا۔ مسائل وحدت الوجود، مکان و لامکان اور انسانی ذات کا ادراک اس کتاب کے خاص موضوعات ہیں۔ ۱۲۷۶ھ میں آپؒ نے " قصّہ شیریں فرہاد" مکمل کیا۔ اس کی ضخامت ۱۸۸ صفحات اور اشعار ۱۰۱۷ ہیں۔ اس کا پڑھنے کا اسلوب بھی نرالا ہے۔

رَل مِل آوٗ دوستو ، بیٹھو مجلس لا
اَساں تساں مرجاوناں ، سر پر کھَلی قضا
گھڑی غنیمت مِلّن دی ، اوڑک ہوَن جُدا
گزری عُمر محمدا ، فیر مُڑ ہتھ نہ آ

اِس قصّے میں میاں صاحب کے فلسفیانہ اور عقلی دلائل لائق مطالعہ ہیں، شفاف اور حساس طبیعت رکھنے کی وجہ سے مصنّف فطرت کی نیرنگیوں سے خوب آگاہ ہیں۔ جمالیاتی شعُور کا ادراک عروج پر ہے۔ اُنھوں نے غنیمت کُنجاہی کے اُسلوب کی تقلید نہیں کی بلکہ ایسی ایسی جدّتیں پیدا کی ہیں کہ بعض پہلوؤں سے اُن کی امتیازی حیثیت قائم ہو گئی ہے۔

۱۲۷۹ھ میں اُن کی مشہور کتاب "سیف الملوک" منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب کو شہرت دوام ملی۔ پنجابی ادب میں اس کتاب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب ایک نوجوان صوفی کی سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آہِ سحر گاہی ہے۔ پنجابی ادب میں سیف الملوک کو وہی مقام حاصل ہے جو فارسی میں مثنوی مولانا رُومیؒ کو! بلکہ ہماری ناقص رائے میں یہ کتاب، زبان کی شیرینی، خوش بیانی، بدیع گوئی، رفعتِ تخیّل اور فلسفہ و فکر میں شعر و سخن کا بے نظیر مجموعہ ہے، اس تصنیف کے محرک آپؒ کے بڑے بھائی جناب میاں بہاول بخش صاحب تھے[۱۲] مثنوی مولانا رُومؒ کی مانند یہ کتاب بظاہر ایک مربُوط کہانی ہے۔ تاہم فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے "بات مجازی میں رمزِ حقانی" بیان کر کے گویا تلوار کو نیام میں چھُپا دیا ہے[۱۳] مولانا رُومؒ کو بھی اسی بات کا دعویٰ ہے:

اے برادر قصّہ چُوں پیمانہ ایست — معنی اندر وے بسانِ دانہ ایست

دانۂ معنی بگیرد مردِ عقل — ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل

بُنیادی طور پر یہ تصوّف کی کتاب ہے جو اس موضوع پر ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ میاں صاحب نے مولانا رُومؒ سے جو اثرات قبول کیے، بسا اوقات اُنھیں من و عن پنجابی کا جامہ پہنایا۔

"ہیر وارث شاہ" کی طرح "سیف الملوک" بھی بلاشبہ ایک لوک داستان ہے جسے بے شمار شاعروں نے اپنے اپنے اُسلوب میں اپنے مخصوص جغرافیائی ماحول کے مطابق بیان کیا ہے۔ قصّے کی روایت کی حد تک ہمیں اس سے انکار نہیں کہ میاں صاحبؒ نے اس موضوع پر لکھی گئی دیگر کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا، تاہم وثوق کے ساتھ رائے قائم کرنا دُشوار ہے۔ لیکن ڈاکٹر اختر امان جعفری صاحب کو نہایت وثوق کے ساتھ اِصرار ہے کہ آپؒ نے جن چار پریوں کا ذکر کیا ہے اُن سے مُراد چار کتب ہیں اور بقول اُن کے یہی چار کُتب اس قصّے کا ماخذ ہیں۔ پہلا ماخذ الف لیلیٰ کا فارسی ترجمہ، دوسرا ماخذ مولوی لطف علی بہاول پوری کی "سیف الملوک"، تیسرا ماخذ غواصی دکنی کی "سیف الملوک" اور چوتھا ماخذ

---

[۱۲] حضرت میاں محمد بخش صاحب: سیف الملوک۔ بار دوم قدیم۔ ۱۹۳۶ء لاہور۔ ص ۱۱

[۱۳] ایضاً، ص ۱۶۔ "بات مجازی رمز حقانی دن واناں دی کاٹھی
سفر العشق کتاب بنائی سیف پھُپی وچ لاٹھی"

سید علی ہمدانیؒ کا فارسی ترجمہ "سیف الملوک" ہے[۱۴] ڈاکٹر صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ متذکرہ بالا کتب آپؒ نے اپنے دوستوں کو خطوط لکھ کر منگوائیں، جو کتاب پہلے موصول ہوئی، وہ قصہ کی بنیاد بنی۔ باقی کتب یکے بعد دیگرے موصول ہوئیں، آپؒ نے ان کا بھی مطالعہ کیا۔ لیکن کئی ایک مقامات پر فرق پایا[۱۵]

ہمیں ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے اتفاق نہیں۔ ہماری ناقص رائے میں میاں صاحب نے قصے کی روانی و سلاست برقرار رکھنے کے لیے تو یقیناً سید علی ہمدانیؒ کا فارسی ترجمہ "سیف الملوک" اور بہت سی دیگر کتب بھی دیکھی ہوں گی، لیکن یہی کتب قصے کا ماخذ نہیں، بلکہ ان میں قرآن حکیم، توریت، زبور، انجیل، کتب احادیث، معتبر کتب فقہ، تفاسیر، تواریخ، مقالات حکیم مانی، مقالات ارژنگ کتب فلسفہ، کتب علم کلام، منصور حلاج کی کتب و رسائل، ہندی اپنشد اور پران، شاہنامہ فردوسی، دیوان حافظ، مثنوی مولانا رومؒ، گرو گرنتھ صاحب، کتب موسیقی، کتب علم نجوم، کتاب باغ و بہار کے علاوہ پنجابی شاعری میں شیخ فریدالدین گنج عارفؒ، سلطان باہوؒ، دونی چندر زادہ، بلھے شاہؒ، شاہ چراغؒ، خلیلی فیض بخشؒ، شاہ شرف تبریزیؒ۔ عبداللہ، اور میاں امام بخش کے کلام قابل ذکر ہیں[۱۶] سید وارث شاہؒ کے بارے میں فرمایا، "وارث شاہ سخن دا وارث"[۱۷] ان کے علاوہ شاہ مراد، مقبل شاہ، میر علی، اشرف نوشاہی، حیدر، دیدار بخش، محمود، شاہ فضل، غلام (سسی) میرن، حسین (ہیر) مصطفےٰ سیالکوٹی، حامد (رجنگ نامہ) پیر محمد، پیر محمد لوناں والی، میاں معظم دین، عبدی (رفتہ) رانجھا برخوردار، عبدالحکیم، صدیق لالی، ہاشم شاہ، احمد یار، قادر بخش، اور محمد گوجر چھوہراں والے کے کلام کا بھی مطالعہ کیا تھا[۱۸]

"سیف الملوک" میں مقولہ شاعر، غزلیات اور دوہڑے کے عنوانات کے تحت میاں صاحبؒ

---

۱۴ ڈاکٹر اختر امان جعفری۔ "حضرت میاں محمد بخشؒ، حیاتی تے شاعری" ص ۳۳۹

۱۵ ایضاً ص ۳۴۰

۱۶ میاں محمد بخش صاحب "سیف الملوک" (قدیمی) ص ۳۱۸

۱۷ ایضاً ص ۳۲۲

۱۸ ایضاً ص ۳۲۰

کے فلسفیانہ خیالات کا مطالعہ تحقیق کا ایک الگ باب ہے ۔ مثنوی مولانا رومؒ کی مانند "سیف الملوک" میں فقط علم کلام، تصوّف اور فلسفہ ہی نہیں بلکہ اس میں پنجاب کی لوک زندگی، لوک ثقافت ، طریق معاشرت، مذہبی و روحانی زندگی، زبانیں، علوم و فنون، علوم و ہندسہ و نجوم، علوم ریاضی، خطوط ، سفارتی آداب، حکومتی طور طریق، بعض پیچیدہ رُوحانی و جسمانی بیماریاں اور ان کا علاج ، مختلف دھاتیں اور اُن کے خواص، مختلف علاقائی کھیلیں، رسوم بیاہ شادی، اقسام طعام، اقسام میوہ جات، حیوانات اور نباتات، غرض پنجابی رنگ مکمل ہے ۔ گویا اسے پنجابی ادب کا "انسائیکلو پیڈیا" کہنا بے جا نہیں ہوگا ۔ "سیف الملوک" کا سب سے بڑا وصف اس اس کی تمثیلیں ہیں ۔ تشبیہات و تماثیل میں میاں صاحب کا درجہ بہت بلند ہے ۔ حضرت فرید الدین عطارؒ کا یہ شعر اس کتاب پر صادق آتا ہے :

ہمہ عشق است اندریں مصحف
ہمہ وصل است اندریں گفتار ۔

ان کی ایک اور کتاب "تحفۂ رسولیہ" ۱۲۸۱ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ یہ کتاب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت مبارکہ، معجزات، اسلامی فلسفۂ ہدایت، نفس اور عوامل نفس کی بحث پر مشتمل ہے ۔ مزید برآں یہ کتاب ماقبل کے نعتیہ کلام میں ایک بیش بہا اضافہ ہے ۔ کتاب کے آخر میں زائرین اور مجاور صاحبان کے لیے ہدایات ہیں، جن سے خانقاہی آداب کا پتا چلتا ہے ۔ ۱۲۸۲ھ میں آپؒ کی کتاب "قِصّہ سخی خواص خاں" منظرِ عام پر آئی ۔ یہ ۶۳۳ اشعار پر مشتمل ہے ۔ انداز سی حرفی کا ہے ۔ اس کتاب میں آپؒ نے اپنی تو تصنیفات اور دیگر کلام کا ذکر کیا ہے ۔ سینکڑوں کی تعداد میں دوہڑے، بیت ، سی حرفیاں ، غزل اور شجروں پر مشتمل آپ کا کلام بکھرا پڑا ہے ، ضرورت اس بات کی ہے کہ "باقیات حضرت میاں محمد صاحب" کے عنوان کے تحت اس کلام کو جمع کر دیا جائے ۔ ۱۲۸۸ھ میں انھوں نے "قصہ مرزا صاحباں" تصنیف کی ۔ ۱۶۴۷ اشعار پر محیط یہ کتاب بڑی مشکل، پیچیدہ اور عجیب و غریب رموز و اسرار پر مشتمل ہے ۔ اس کا رسم الخط پرانا ۔ بحر لمبی اور الفاظ ٹھیٹھ پنجابی ہیں ۔[19]

---

[19] رمزاں نال بھرپور کتاب ساری نکتہ سخی بھی سمجھ نہ پایا سی
بھر بانیاں مرد حقانیاں تھیں بحرہ ایس فقیر نے پایا سی
(ص ۱۰۷)

۱۲۹۴ھ میں مذہبی وفقہی مسائل پر مشتمل میاں صاحب کی ایک معرکتہ الآرا کتاب " ہدایت المومنین " پایۂ تکمیل کو پہنچی[۲۰] کتاب میں مختلف مقامات پر قرآنِ عظیم، احادیث اور فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے میاں صاحب کی وسعتِ علمی اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۳۰۴ھ میں "پنج گنج"، "قصۂ سسی پنوں" اور "باراں ماہ" منظرِ عام پر آئیں، یہ مختصر کتابچے ہیں[۲۱] "پنج گنج" میں سی حرفی کی طرز پر چھ سی حرفیاں ہیں۔ مجموعی اشعار کی تعداد ۳۷۰ ہے۔ جب کہ سسی پنوں صرف ایک سی حرفی ہے جو ۶۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے ہر شعر میں قرآن کی کسی آیت یا حدیث پاک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ تمام اشارات فلسفۂ زندگی اور رموزِ فقر پر مشتمل ہیں۔ "باراں ماہ" میں بارہ ہندی مہینوں کے نام پر ۲۸ اشعار خاص فنی اصطلاحات، مفروضہ اشارات،

---

[۲۰] حضرت میاں محمد بخش صاحب، "ہدایت المومنین" بار اوّل، اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱۹۱۲ء ص ۱۰۵
اس کتاب کے ناشر ملک محمد صاحب مرحوم نے کتاب کا نام "ہدایت المسلمین" غلطی سے تحریر کر دیا اور آج تک یہی تحریر ہوتا چلا آرہا ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر اختر امان صاحب نے بھی اس کا نام "ہدایت المسلمین" ہی لکھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ پہلی مرتبہ اسے ملک نور اینڈ سنز نے جہلم سے شائع کیا۔ مقالہ غیر مطبوعہ۔ ص ۳۱۔۴۳۰، "ہدایت المومنین میں کل ۱۹۳۹ اشعار ہیں۔ یہ کتاب میاں صاحب نے ۱۲۹۴ھ میں تصنیف فرمائی۔

یاری ربّدی نال رسالہ ختم ہویا جد آکر
"ردّ ذالغبن" ۱۲۹۴ھ تھیں ویکھو ہے تاریخ برابر

کتاب کے ناشر ملک محمد مرحوم نے متذکرہ شعر کی بجائے یہ شعر لکھا ہے، جو غلط ہے!

"باراں سے ستانوے ۱۲۹۷ھ آہا ہجری سن سنانواں
تد ایہہ نظم پنجابی کیتی کارن یار بھراواں"

اصل نسخے میں یہ شعر موجود نہیں، ڈاکٹر اختر امان نے بھی غلطی سے یہی تاریخ لکھ دی ہے۔ ص ۴۲۷

[۲۱] یہ تینوں کتابچے محکمہ اوقاف، آزاد کشمیر نے شائع کر دیے ہیں۔

علمی رموز، اسرارِ فقر و سلوک، عسیر الفہم مضموں میں مرقوم ہیں ۔ اگر تصوف و فلسفہ میں گہری معلومات حاصل نہ ہوں تو اس کو کماحقہٗ سمجھنا دشوار ہے ۔

۱۳۱۵ھ میں آپ نے ۲۵۱ ۔ اشعار پر مشتمل "چھٹی ہیر رانجھا" تحریر کی ۔ یہ سالک کے لیے ہدایت، آدابِ فقر، اور بے ثباتیٔ دُنیا پر ایک جامع تحریر ہے ۔

"ہیر رانجھا" صرف ۲۵۱ ۔ اشعار پر مشتمل ہے ۔ محکمہ اوقاف نے اسے شائع کر دیا ہے ۔ مولوی محبوب مرحوم نے اس کا نام "چھٹی ہیر رانجھا" لکھا ہے ۔ ہماری ناقص رائے میں یہ دونوں عنوانات کتاب درست نہیں ۔ میاں محمد بخش نے ان اشعار کو غالباً ایک ہی نشست میں موضع "پنجنی" میں کسی صاحب کی فرمائش پر تصنیف کیا ۔ میاں صاحب لکھتے ہیں :

"فرمائش فرزندِ مخدوم صاحب لنگر شریف والا کہ اسم شریف ایشاں بُرسیدہ نہ شدہ ۔" بتاریخ ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۱۵ھ (مطابق ۱۸ اگست بروز بدھ، ۱۸۹۷ء) ۔ میاں محمد بخش نے ان اشعار کو "رباعیات" کا نام دیا ہے :

"تیراں سے تے پندراں ۱۳۱۵ھ سنہ ہجری جدوں ایہہ رباعیاں آیاں نی
موضع پنجنی بیٹھ کے نظم کیتی جتھے بہت کماں بھیڑاں پائیاں نی
دا ہے چھ تے اٹھ ۶۸ ہے عمر گذری ہوشاں ہتاں وچ خطائیاں نی
سبھ شرم محمدا پیر نوں جی، جیندے کرم اوتے اساں لائیاں نی"

لہٰذا ہماری رائے میں اس کتابچے کا نام اگر "رباعیات حضرت میاں محمد بخش صاحب" ہوتا تو زیادہ مناسب تھا ۔ رباعیات کا نمونہ ملاحظہ ہو :

دُنیا ہُو ہوا نہ چت دھریں، رہنا آس نھیں نامُراد بیلی
ایہدے وچ تمام بے لذتی ہے، متے بھُل دنجیں چکھ صواد بیلی
چلیں چال چلن اساں جوگیاں دا، رہیں بہت اکلڑا صبر اندر
تھوڑا کھاوناں ملے حلال جتھوں، گوشہ گیر ہوتا دیس سفر اندر
سچ بولنا، نیک خصال ہونا، کہیں جھوٹھ تاہیں کسے جبر اندر
رکھیں خبر محمدا نفس دی جی، جہیڑا ربّ بہایا گبر اندر

تن گالتاں وچہ ریاضتاں ندسے ، کریں شکر بیٹھا ہر حال اندر
پائیں فیض تصوّروں ہر ویلے ، خویئں پاک کریں گال گال اندر
رہنا رستیوں دُور تے صحبتوں جی ، ڈیرا رکھ اجاڑ مثال اندر
جگ دیہہ تیاگ محمدؒا جی ، بوٹا یاد تے شوق دا پال اندر
تھوڑا کھانوناں تے تھوڑا سووناں جی ، تھوڑا بولنا ، خلق تھیں دور ہوناں
نفسانیاں اہل ہوا جیہڑے ، سنگی اونہاں دا ناں ضرور ہوناں"

ڈاکٹر اختر امان جعفری صاحب کو یہ رباعیات نہیں مل سکیں !

فارسی زبان میں 'تذکرہ مقیمی' جیسی نادر دستاویز آپ کی آخری تحریروں میں شامل ہے، جس میں گزشتہ تین سو سالہ رُوحانی ، سماجی ، سیاسی اور معاشی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے ۔ ان کے تلمیذ خاص ملک محمد جہلمی مرحوم نے ۱۹۲۰ء میں "بوستان قلندری" کے نام سے اس کا اُردو ترجمہ کیا[۲۲] جو اصل کتاب کا عشرِ عشیر بھی نہیں ۔ کئی ایک واقعات کا مترجم نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ۔ بعض الفاظ کے معنی بدل ڈالے ، غرض یہ ترجمہ سخت محلِ نظر اور مشکوک ہے ۔ "تذکرہ مقیمی" کی ابتدا " در تمجید باری تعالیٰ " کے بعد اس شعر سے ہوتی ہے ۔

از ناطقہ در بیان اوصاف تو لال
از درک تو قاصر است اوہام وخیال[۲۳]

دیگر صوفیائے کرام کی طرح میاں صاحب نے بھی آغاز میں آنحضورؐ اور خلفائے راشدین کی نعت بیان کی ہے ؛ بیشتر واقعات کا آغاز " از بزرگان شنیدم " سے ہوتا ہے ، جو مصنف نے قابلِ اعتماد ذرائع سے بہم پہنچائے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے اس ضمن میں اُنھوں نے تاریخ ہند کی کتب بھی ملاحظہ کی ہیں ۔ چنانچہ ایک واقعہ کے متعلق لکھا ہے ۔ " در کتب تواریخ پادشاہانِ ہند مسطور است "[۲۴]

---

۲۲ ملک محمد مرحوم ۔ " بوستان قلندری " سراج المطابع جہلم ۔ ۱۹۲۰ء

۲۳ حضرت میاں محمد بخش صاحب " تذکرۂ مقیمی " (قلمی نسخہ) مملوکہ سید غلام غوث شاہ صاحب مرحوم و مغفور ۔ برگ اوّل ۔

۲۴ " تذکرہ مقیمی " ، برگ ، ۲۲

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات بھی کتاب میں درج کی ہیں، جن کا تذکرہ مستند کُتب میں موجود ہے۔ دورِ حاضر کے مورّخ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" میں لکھتے ہیں کہ آپؒ کی کرامت کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے اور امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حدِ تواتر تک پہنچ گئی ہیں [۲۵]

"تذکرہ مقیمی" میں حضرت بہا شیر قلندرؒ، حضرت شاہ ابوالمعالیؒ، حضرت شاہ محمد مقیمؒ، حضرت سید سیف الرحمن صفی اللہ، حضرت شاہ محمد امیر بالا پیرؒ، حضرت سیّد پیر شاہ قلندرؒ، حضرت بلگا شیر حاجیؒ، حضرت میاں دین محمد، حضرت میاں شہبازؒ، حضرت میاں جیونؒ، حضرت میاں قادر بخشؒ، حضرت میاں قادر بخشؒ، حضرت میاں کرم بخشؒ مجذوب، حضرت میاں الٰہی بخشؒ، اور حضرت میاں شمس الدین صاحبان کے حالاتِ زندگی، علم وفضل اور کارہائے نمایاں پر قیمتی معلومات ملتی ہیں مزید براں "تذکرہ مقیمی" میں شہنشاہ اکبر، ہمایوں، شاہ جہاں، جہانگیر، اورنگ زیب عالمگیر، محمد شاہ بادشاہ دہلی، نادر شاہ دُرانی، امام بری شاہ لطیف، حاجی نوشہ گنج بخش، پیر محمد سچیار نوشاہیؒ، حضرت شاہ دولہ گجراتی اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ محدّث دہلوی کے علاوہ لالہ دھنپت رائے، مہاراجہ رنجیت سنگھ، راجہ گلاب سنگھ، راجہ ہیرا سنگھ، راجہ شیر سنگھ، مہاراجہ رنبیر سنگھ کے بارے میں دلچسپ واقعات ہیں۔ نیز یہ کتاب ہندوستان کے سیاسی حالات، پنجاب پر سکھوں کی یورشوں اور بیرونی حملوں کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم کرتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ میاں محمد بخش اپنے دور میں پنجاب کے بہت بڑے صوفی، مصنف اور شاعر تھے۔ ان کی تصنیفات بے شمار معلومات کی حامل ہیں۔

---

۲۵ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ "تاریخ دعوت وعزیمت" جلد اول